مغربی فلسفہ حقوقِ انسانی کی آزادی اظہار رائے کا سرمایہ دارانہ معاشرت پر اثرات کا جائزہ

محمد کاشف

ریسرچ اسکالر، شعبۂ سیاسیات جامعہ کراچی، کراچی

Abstract

Ideologies required some primary sources for transmission of its thought as such capitalism for its promotion use some means, in which 'Right of Speech' hold fundamental nature. In contemporary world 'means of communication' are considered symbol of freedom of speech, whereas the basic characteristic of Means of communication is "distance". In absence of distance the 'existence' of means of communication is impossible. Enhancement of nearness is considered death of means of communication. On the contrary, creation of 'distance' and 'remoteness' is deemed life for means of communication as such the cause of stability of means of communication may be either the end of 'nearness' among society.

The rapid progress of capitalism requires rapid trend of individualism and demolition of traditional family system. (The demolition of traditional family system is directly proportional to individualism.) In perspective of consumption , if it is an analysed we will easily understand the fact that when family is united, the use of appliances is also single and in case of 'division' of family the use of domestic articles also enhance.

In light of these fact the coordination of all these things and the study of consequent society become incumbent therefore, in this article an effort has been made to understand this co-ordination.

KeyWords:Ideologies,Communication,Society,FreedomofSpeech,Distance

ہر فکر و نظریہ اپنے افکار کی ترسیل، اشاعت کی وسعت، اہمیت کے اُجاگر کرنے اور زیادہ سے زیادہ افراد و طرز معاشرت پر

اثر انداز ہونے کے لیے کچھ بنیادی نوعیت کے لوازمات و ذرائع سے آراستہ ہوتے ہیں درحقیقت ان افکار و نظریات کے نزدیک اپنی قوت میں اضافے کے لیے ان بنیادی نوعیت کے ذرائع کی اہمیت لازم وملزم کی ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام مذاہب اپنے افکار کے پھیلاؤ کے لیے اپنے مخصوص ذرائع کا استعمال کرتے ہیں جیسا کہ دین اسلام بھی اپنے عقائد و حقانیت کی ترسیل، اس کی اشاعت و وسعت کے لیے تبلیغ، جہاد و قتال، صدقات اور تصوف جیسے بنیادی نوعیت کے ذرائع استعمال کرتا ہے۔

اس تناظر میں عصر حاضر کے منہج غالب سرمایہ دارانہ نظام کا مطالعہ کریں تو بیٹز (Beitz,1999) نے لکھا ہے کہ ''
سرمایہ درانہ نظام ولبرل ازم کے اولین واساسی مفکر جان لاک کی فکر کے مطابق تین بنیادی ذرائع سامنے
آتے ہیں جن کے مطابق یہ نظام ریاست، معاشرت وانفرادی سطح پر وسعت وقوت میں اضافہ کرتا ہے۔
حق زندگی (Right of Life)، حق ملکیت (Right of Property)، حق آزادی اظہار رائے
(Freedom of Speech)''۔(۱)

حق آزادی اظہار رائے لبرل سرمایہ دارانہ نظام کے افکار کی ترسیل و مقاصد کے حصول میں بنیادی نوعیت کا کردار ادا کرتا ہے۔ جس کے باعث یہ نظام اپنی فکر کی ترسیل یعنی تبلیغ کا کام سرانجام دیتا ہے۔ اس تصور کو فکری سطح پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تصورِ حق کو سمجھا جائے جس کے لیے درج ذیل مباحث سے آگہی ضروری ہے۔ حق (Rights) سے کیا مراد ہے، ہمیں حق کس طرح ملتے ہیں، صحیح (حق) اور غلط میں کن پیمانوں پر فرق کریں گے، حق اور فرائض (Duties) میں کیا تعلق ہوگا۔

بین الاقوامی منشور حقوقِ انسانی کے تناظر میں جب فرد کی جانب سے کسی حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کے باعث دو حقیقتوں کا ظہور ہوتا ہے اور فرد معاشرے کو سمجھا رہا ہوتا ہے کہ جس حق کا میں مطالبہ کر رہا ہوں۔

۱۔ وہ حق مطلقی طور پر میری شخصیت کی تعمیر (Self Development) کے لازمی ہیں۔

۲۔ اور اگر اس ہی حق کو کوئی دوسرا شخص اپنی شخصیت کی تعمیر (Self Development) کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کروں گا۔

مذکورہ بات کو اگر اور تفصیل سے دیکھیں تو اس کا مطلب مزید واضح ہوتا ہے کہ فرد جس حق کا طالب ہے بالکل ویسی ہی حق دوسروں کو بھی دینے کا مطالبہ کر رہا ہوتا ہے۔ اس حق کا مطالبہ فرد اپنے لیے کرے یا یہ حق دوسروں کے لیے مانگا جائے دونوں کا عملی طور پر ایک ہی معنی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی گروہ، کمیونٹی کوئی حق کسی دوسرے گروہ سے لڑ کر، عدالتی جنگ جیت کر حاصل کرتا ہے تو فوراً ہی یہ جیتا ہوا حق ان کے گروہوں کو انفرادی سطح پر تو منتقل ہوتا ہی ہے مگر اِن کے مخالفین اور اُن کی کمیونٹی کے ہر فرد کو انفرادی سطح پر بھی منتقل ہو جاتا ہے یعنی یہ حق دوستوں اور دشمنوں کے لیے بھی جیتا گیا ہے۔ حق ملنے یا فیصلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب اس حق کے لیے راضی ہیں اور حقوق اسی طرح دوسروں کے لیے بھی ہیں۔ نیز فرد معاشرے کو ایک ضمانت (Undertaking) بھی دے رہا ہوتا ہے کہ وہ اس حق کو اپنے مفادات کے لیے مکمل ایمانداری سے استعمال کرے گا۔ اس حوالے سے راز (Raz,1989) کہتا ہے کہ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہوتا یعنی حق اور فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔(۲)

اگر کوئی انسان کسی کے خلاف کسی حق کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کے متعلق ساشتری (Sastri,1961) پروفیسر ہاہوکنگ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اگر تم میرے حق کی خلاف ورزی کرتے ہو تو درحقیقت تم خود کو از خود مرکزی مقام پر تکلیف میں ڈالتے ہو، کیونکہ ہر حق کا فرائض سے لازمی تعلق ہے ہر حق کے اوپر فرض موجود ہوتا ہے، فریق اول کا حق فریق دوئم کے فرائض فریق دوئم کے حق فریق اول کے فرائض میں شامل ہیں۔ حقوق اور فرائض ایک ہی شے کے دو نام ہیں انہیں جب دو مختلف مقامات سے دیکھا جاتا ہے تو یہ اپنے مقامات کے حساب سے مختلف نظر آتے ہیں ایک سکہ کے دو رخ کی طرح۔'' (۳)

ماضی کی تہذیبوں میں حقوق کی نہ کوئی اہمیت تھی نہ ان میں اضافہ کا رجحان تھا بلکہ عوام الناس اپنے درپیش معاملات میں حکام کو عرضی پیش کرتے اور سخاوت و نرم دلی، انسانی ہمدردی کے منتظر ہوتے تھے۔ جب کہ جدید جمہوری معاشروں میں حقوق کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے۔ انقلاب فرانس میں تصور انسانی ہمدردی، سخاوت و نرم دلی (charity) کے بجائے انسانی حقوق کے مطالبات منوائے گئے۔ حق ایک طاقت ہے جس کے حصول کے لیے معاشرے سے اخلاقی بنیادوں پر مطالبہ کیا جاتا ہے اور یہ انسان کے ذہن یا روح میں مقیم ہوتا ہے۔ (۴) اسی طرح ملٹن (Milton) آزادی اظہار رائے کے متعلق واضح کرتا ہے کہ آزادی افکار تمام آزادیوں کی بنیاد ہے۔ (۵)

پروفیسر ہاہوکنگ کی دلیل کے مطابق آزادی افکار کی تعبیر بنیادی نوعیت کی ہے وہ اپنے افکار سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جیسے ہی ہم آزادی اظہار رائے کو ایک حق کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور اس فکر و حق کو مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے لیے انتہائی موزوں دین کی وسعت کے لیے مثالی سمجھتے ہیں درحقیقت اس حق کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں تبلیغ میں آسانی میسر آتی ہے تو اس شرط کے ساتھ کہ شر اور ہر فکر و خیالات خبیثہ، جہالت و شیطانیت کو بھی اس حق آزادی اظہار رائے کے باعث اسلام کے مساوی حق تبلیغ بھی میسر آئے۔ اس حق کے ملنے کے نتیجے میں سب سے خطرناک فکر جو معاشرے میں نمودار و فروغ پزیر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر فکر و خیال و عقائد برابر اہمیت کے حامل ہیں دونوں میں مساویانہ تقدیس، تقدیم و احترام ہے اور دونوں رتبے و مراتب میں برابر ہیں نیز ان افکار و عقائد میں حفظ مراتب نہیں ہیں۔ اس بات کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمام عقائد میں کوئی تقدیس، تقدیم و احترام سرے سے ہے ہی نہیں یعنی کوئی سچ، کوئی حقیقت، کوئی عقیدہ، کوئی مذہب، آفاقی نہیں ہے بلکہ زمان و مکاں میں مقیم ہیں، ہر فرد کا اپنا عقیدہ اپنی تعبیرات ہیں اور اسے مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اپنے افکار، عقائد، و آرا کو تبدیل کر لے اسے مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی اس نئی آرا کا جب چاہے اظہار کر لے۔ روسو (Rousseau) کے مطابق تمام مذاہب کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے رواداری (Tolerance) برتیں پھر کچھ عرصہ بعد ان کے عقائد (dogmas) اور شہریت کے فرائض میں تضاد نہیں رہے گا۔ (۶)

اس لیے جو معاشرہ آزادی اظہار رائے کو حق کے طور پر قبول کرتا ہے وہ حقیقتاً اس میں پنہاں مفہوم کی وسعت کو بھی قبول

کر لیتا ہے۔ارتداد کو قبول کر لیتا ہے اس کے اظہار کو قبول کر لیتا ہے نہ صرف دوسروں کے لیے بلکہ ان تمام مفہوم کو اپنے لیے بھی جائز حق کے طور پر قبول کر رہا ہوتا ہے۔ اظہار رائے کی آزادی ہی کی بدولت یہ ممکن ہوتا ہے کہ مذہبی زندگی کے نمائندے اور مادی زندگی کے نمائندے کے افکار کو مساویانہ تقدس و احترام حاصل رہے، قانون کی نظر میں ایک استاد، کھلاڑی ، اداکار، مراثی ،ڈانسر، فاحشہ اور عالم کے افکار میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی بلکہ ملک کے سب سے نیک عالم اور ملک کے سب بدنامِ زمانہ شخصیت کو الیکشن میں اور عام زندگی میں بھی مشترکہ قابل احترام اور مساویانہ آزادی اظہار رائے حاصل ہوتا ہے۔اس مساویانہ احترام وتقدیس کا عملی اظہار اُس دن نظر آ رہا ہوتا ہے جب سرکاری سطح پر سول ایوارڈ تقسیم کیا جاتا ہے اور پہلی قطار میں ایوارڈ کے لیے منتخب افراد تشریف فرما ہوتے ہیں۔جس میں قراء و نعت خواں، مذہبی شخصیات، ادیب، اُستاد، افسر، کھلاڑی، گلوکار، فنکار، ثقافتی نمائندے وغیرہ باہم شیر وشکر ایک تسبیح کے دانوں کے طرح مساوی تقدیس کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا حفظ مراتب پر مبنی تقدس و احترام کے ہوتے ہوئے آزادی اظہار رائے کی کامیابی ممکن نہیں ہوسکتی۔اس حوالے سے کوندے (Conde,2004) نے اپنی انسانی حقوق کے حوالے سے لغت میں تحریر کیا ہے کہ:

>''آزادی اظہار رائے کا ایک مخصوص موضوع انسانی حق ہے جو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک فرد اپنی داخلی معلومات، افکار، رائے اور ایمانیات وفنکارانہ اظہار کو تقریر، تحریر یا علامتوں کو افرادی یا ریاستی روک ٹوک کے بغیر خارجی سطح پر پھیلا سکے، سوائے ان مثبت روکاوٹوں کے جنہیں از خود قبول کیا گیا ہو۔''(۷)

اگر آزادی اظہار رائے کی فکر معاشرے میں نفوذ پزیر ہو رہی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ معاشرہ تقدس، احترام و حفظ مراتب سے عاری ہو رہا ہے۔ اس رجحان کے نتیجے میں کثرتیت (Pluralism) کی فکر نمودار ہوتی ہے۔کثرتیت کا تصور بنیادی طور پر مطلق مقتدرہ اعلیٰ (Absolute Sovereignty) کے خلاف ہے۔ اس تصور کو ہیگلین (Hegalian) تصور ریاست کے خلاف ردعمل بھی کہا جاتا ہے۔ ہیگلین تصور ریاست کی شکل کو خدا زمین پر (God on earth) کہا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں اس تصور کو جمہوریت کی ناکامی اور کمزوریوں کی وجہ سے اہمیت ملی ہے۔کثرتیت کی صفت مقتدرہ اعلیٰ سے متفرق تو ہوتا ہے مگر انارکیسٹ اور سنڈیکلیٹ کی طرح ریاست کو ختم نہیں کرتا (۸) کثرتیت بنیادی طور پر مطلق تصور ریاست کے تمام دعواؤں کے خلاف ہے ان کے نزدیک ریاست کا کوئی تصورِ اخلاق نہیں ہونا چاہیے۔ ریاست کے نزدیک تمام تصورات وتصورِ اخلاق برابر ہونے چاہیے کیوں کہ ایک فرد مختلف شخصیات کا مجوعہ ہوتا ہے اور اپنی شخصیت کے مختلف پہلوں کے اظہار کے لیے مختلف ذرائع استعمال کرتا ہے۔ کوکر (Coker) کے مطابق انسان معاشرتی فطرت کا حامل ہے وہ اپنی اظہاریت مختلف گروہ کی صورت میں کرتا ہے، اس کی زندگی میں مذہبی، معاشرتی، معاشی، پیشہ وارانہ، سیاسی اور مختلف نوعیت کے مقاصد ہوتے ہیں اور ان تمام گروہ میں کسی کو اخلاقی و عملی طور پر کسی دوسرے کے مدمقابل برتری حاصل نہیں۔(۹)

لینڈ سے (Lindsay) کے مطابق ریاست کی از خود کوئی شخصیت نہیں ہوتی، ریاست، گروہ کا ذہن، گروہ کا ارادہ، گروہ کی

شخصیت، کی علامت ہے۔ ریاست تنظیموں کی تنظیم سازی کا نام ہے۔ کثرتیت بنیادی طور پر فکر، نظریات، عقائد، مذاہب اور طرز زندگی میں مکمل مساوات کا نام ہے۔ کثرتیت ریاست کی مقتدرہ اعلیٰ صفت سے متفرق ہوتے ہیں۔ افرادی گروہوں کی اقدار کے حامی ہوتے ہیں اور ان گروہی زندگی کی کثرتیت کی ترجیحی بنیادوں کو سیاسی طریقے سے پروان چڑھانا چاہتے ہیں ان کے نزدیک ریاست کی کوئی نظریاتی شناخت نہ ہو۔ یہ ہر شناخت کو ختم کرتے ہیں۔(۱۰) لیوکارڈ (Lyocard,1984) لکھتے ہیں کہ:

> ''پس جدیدیت میں بے اعتقادی سب سے بڑی حقیقت ہے۔''(۱۱)
>
> راز نے لکھا ہے کہ ''لبرل ازم کے اکثر سیاسی آزادی کے نظریات (تمام نہیں) کی بنیاد کا انحصار ایک یا ایک سے زائد اصول برائے جکڑ بندی (restraint) پر ہوتا ہے۔ ان اصولوں میں ایک اصول غیر جانبداری (neutrality) بھی ہے۔''(۱۲)

جب بین الاقوامی قوانین کی بات کرتے ہیں کہ اس پر عمل درآمد چاہتے ہیں تو دراصل ریاست کی بیرونی مقتدرہ اعلیٰ (External Sovereignty) صلاحیت کو ختم کرتے ہیں اور ایک نیم مقتدرانہ ریاست وجود میں آتی ہے جو کہ بین الاقوامی کثرتیت سے ہم آہنگ وزیر سرپرستی وجود میں وسعت لاتی ہے۔ لاسکی (Laski) بین الاقوامی امن اور گڈ ویل (Good Will) کا پرزور حامی ہے۔ وہ ریاست کی بیرونی مقتدرہ اعلیٰ (External Sovereignty) پر حملے کرتا ہے جو کہ کثرتیت کے لیے بہت مفید ہے۔(۱۳) ان کے نزدیک بین الاقوامی سطح پر ایک آزاد اور خودمختار ریاست کا تصور، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے زہر قاتل ہے۔ ان کی علمیت میں مقتدر اعلیٰ کے لیے کوئی الگ مقام نہیں اور دنیا و انسانیت کے لیے مقتدر اعلیٰ کو محدود کرنا ہمارا فرض ہے۔(۱۴)

آزادی اظہار رائے اپنے افکار کی ترسیل کے لیے عصر حاضر میں مواصلاتی ذرائع وذرائع ابلاغ پر انحصار کرتی ہے۔ جدید مواصلاتی ذرائع وذرائع ابلاغ میں بنیادی طور پر ایسی خصوصیات ہیں جن کے باعث سرمایہ دارانہ نظام کی وسعت، کامیابی، قوت کا معاشرے میں نفوذ انتہائی تیز ہو جاتا ہے۔ عصر ذرائع کی ایک بنیادی و لازمی خصوصیت جس کے بغیر ان ذرائع کا وجود ہی ممکن نہیں ہے وہ فاصلہ، دوریاں (Distance) ہے۔ کسی بھی ذرائع ابلاغ و مواصلاتی ذرائع کا وجود ممکن ہی نہیں ہو سکتا جب تک فاصلہ و دوریاں پیدا نہ کی جائیں۔ اگر دو فریق کے درمیان سے دوریاں و فاصلہ ختم کر کے قربت پیدا کر دی جائے تو ان ذرائع کے وجود کہ ہوتے ہوئے یہ ذرائع بے کار ہو جائیں گے یعنی قربت اور دوریوں کا مٹ جانا ان ذرائع کی موت ہے۔ دوسرے لفظو ں میں کہا جا سکتا ہے کہ عصر حاضر میں آزادی اظہار رائے میں اضافہ دراصل فاصلوں و دوریوں میں اضافہ کر رہی ہوتی ہیں۔ اس حق اظہار رائے کے معاشرے میں مضبوط ہونے، مستحکم ہونے کا مطلب قربتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ اسی تناظر میں شہری و دیہی زندگی کا مطالعہ کریں تو با آسانی معلوم ہوتا ہے کہ شہری زندگی میں افراد حق آزادی اظہار رائے و ذرائع ابلاغ کے جدید ذرائع (موبائل، انٹرنیٹ، ٹی وی، اخبار وغیرہ) کے قریب ہوتے ہیں اور اپنا وقت ان میں صرف کرتے ہیں مگر انسانوں کے پاس انسان کے لیے وقت نہیں ہوتا جب کہ اس سے قطع نظر دیہی علاقوں میں لوگوں کے پاس جدید ذرائع ابلاغ کی سہولیات میسر نہیں ہوتی جس کی وجہ

سے دیہی علاقوں میں انسانوں کے پاس کافی وقت ہوتا ہے نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ چرند پرند کی دیکھ بھال اور قدرت کی صناعیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بھی وقت مل جاتا ہے جب کہ شہری زندگی میں معیار زندگی کو بلند کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہونے کے باعث لوگوں کے پاس اپنے معیار زندگی سے لطف اندوز ہونے کا وقت میسر نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے کراچی کے ایک تعلیمی ادارے سی بی ایم کے طلباء نے ڈیفنس (DHA) میں ایسے بنگلوں کا سروے کیا جن کی مالیت پچاس کڑور سے زائد تھی۔ مالک مکان سے جب پوچھا گیا آپ اپنے اس گھر میں کتنا وقت گزارتے ہیں۔ جواب ملا چار گھنٹے، اور جس کا اپنے گھر میں اوسطاً چار گھنٹے وقت گزرے اس میں زیادہ وقت سونے میں ہی گزارتا ہے۔ جب اتنے مختصر قیام کی وجوہات معلوم کی گئی تو جواب ملا کہ اگر ہم اس سے زیادہ وقت اس گھر میں گزاریں تو ہم اس گھر کے معیار کو برقرار (Maintain) نہیں رکھ سکتے۔ یعنی انسان اپنی ساری زندگی بلند معیار زندگی حاصل کرنے میں گزار دیتا ہے۔ دنیا کے حصول کے لیے خود کو دنیا سے دور مارکیٹ کی غلامی میں دے دیتا ہے۔ جو وقت ایسے اپنے معیار زندگی سے لطف اندوز ہونے اور گھر و خاندان کو دینا چاہیے وہ وقت بھی مارکیٹ میں وقف کر دیتا ہے۔اسی طرح پہلے شہری و دیہی علاقوں بیٹھک واوٹاک ہوا کرتے تھے جہاں محلے کے بزرگ جمع ہو کر خوش گپیاں کرتے اور ایک دوسرے کے احوال سے واقفیت وخبر گیری رکھتے اور اپنے اوقات میں سے کچھ وقت پڑوس و معاشرے کے لیے وقف کرتے تھے مگر جب سے معاشرے میں ٹی وی عوام کی دسترس میں آیا ہے تو لوگوں نے وہ وقت بیٹھک واُوٹاک کے بجائے ٹی وی کے سامنے گزارنا شروع کر دیا۔جس کے باعث وہ محلے کے احوال سے واقفیت وخبر گیری سے محروم ہوتے جارہے ہیں اب لوگوں کو معلوم ہی نہیں کون کس گھر میں بے روزگار ہے، کون زکوۃ کا منتظر ہے، کون فاقہ کشی کی حالت میں ہے کون رشتے کے لیے پریشان ہے مگر انہیں ملک کے حالات و دنیا سے آگہی حاصل ہو رہی ہیں۔ دوسرے الفاظوں میں کہا جائے کہ ٹی وی نے محلے کی سطح پر پڑوسیوں کے درمیان فاصلہ، دوریاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سرمایہ داری میں سبک رفتار ترقی کے لیے ایک عمل یہ بھی ضروری ہے کے لوگوں میں انفرادیت پرستی کا رجحان بیدار ہو اور خاندانی نظام وروایاتی اجتماعیت منہدم ہو۔جس تیزی سے یہ انہدام ہوگا اس رفتار سے انفرادیت کا حصول ممکن ہو سکے گا جو ترقی کے اضافہ میں بنیادی کردار ادا کرئے گا۔اس کو اگر کنزمشن (Consumption) کے نقطہ نظر سے دیکھے تو با آسانی معلوم ہوگا مثلاً اگر ایک خاندان ماں باپ اور چھ شادی شدہ بیٹوں پر مشتمل ہوتا ہے تو اشیاء ایک ہی استعمال ہوتی ہے مگر جب یہ خاندان ٹوٹ جائے لوگ الگ الگ رہنے کی خواہشات کے باعث انفرادیت پسندی میں مبتلا ہو جائیں تو اشیاء صرف کی ضرورت میں اضافہ ہو جائے گا۔ پہلے ایک گھر میں ایک استری، ایک واشنگ مشین، ایک فریج، ایک ٹی وی، ایک گاڑی وغیرہ کافی تھی مگر اب چھ بھائیوں کے الگ الگ رہنے کی وجہ سے چھ استری، چھ، واشنگ مشین، چھ فریج، چھ ٹی وی، چھ گھر، چھ گاڑی کی ضرورت پڑے گی۔اس لیے سرمایہ داری ایسے ذرائع اور ایسی طرز زندگی و ایسی فکر اور ایسے حق آزادی اظہار رائے کو فروغ دیتی ہے جس کے نتیجے میں انفرادیت پسندی کو آئیڈیلائز کر کے یا ازخود نظام کے چھپے (Hidden) جبر کے باعث مجبور ہو کر اختیار کرتے جائے اور قبائل، براداری میں، برادری خاندان میں اور خاندان صرف میاں بیوی میں اور میاں بیوی گرل فرینڈ بوائے فرینڈ (Living Partner) میں تبدیل

ہو جائیں تا کہ اشیاء صرف کی زیادہ سے زیادہ صارف میسر آسکیں۔ جیسا کہ اب مغرب میں خاندانی نظام منہدم ہو کر نیوکیلر فیملی (Nuclear Family) میں تبدیل ہو گیا ہے اور ایک ایسی معاشرت فروغ پزیر ہے جس میں تخلیق خواہش (creation of desire) اقداری سطح پر رائج ہے۔ اس رجحان کی واضح شکل وارگاس (Vargas, 2006) کے اس ایک جملے میں مکمل طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ''مجھے ہر چیز دے دو! جو میں چاہتا ہوں جب کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں''۔(۱۵)

سرمایہ داری کا بنیادی طریقہ کار جس کے باعث وہ مسلسل قوت حاصل کرتا ہے اور معاشرے پر حاوی ہو جاتا ہے کو تین مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(الف) کہ معاشرے کے ہر فرد کا یہ مقصد حیات بن جائے کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اپنی دولت کو مزید سرمائے کمانے میں لگا دے اور یہ تسلسل مستقل چلتا رہے یعنی محدود زندگی میں لامحدود سرمایہ کے حصول (نا قابل حصول) کو ممکن بنانے کی جدوجہد۔

(ب) اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کے بعد سرمایہ داری کی کوشش ہوتی ہے کہ معاشرے میں نفس مطمئنہ کا خاتمہ ہو اور معاشرے کے افراد اپنی موجودہ حالت، معیار پر صبر وقناعت کرنا چھوڑ دیں اور اپنی موجودہ حالت پر شرمندگی محسوس کریں دوسروں کے مقابل خود کو کمتر سمجھیں یعنی سرمایہ داری تصور غربت کا زیادہ سے زیادہ فروغ، دنیا کی سب بڑی ناکامی، ذلت، رسوائی اور خامی کے طور راسخ کرتا ہے۔ درحقیقت مغرب میں مطمئن انسان وہ ہے جسے نفس مطمئنہ حاصل نہیں ہے۔

(ج) اور پھر نت نئی معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے اور ان کے حصول کے لیے اپنا ساری جدوجہد، وقت اور مکمل زندگی وقف کر دے تا کہ ایک نا قابل حصول معیار زندگی کا حصول ممکن بنایا جا سکے۔ یہ بالکل اس کھیل کی طرح ہے جس میں تمام افراد ایک قطار میں کھڑے ہیں اور کھیل کا اصول یہ قرار پائے کہ آپ نے کسی سے 'پیچھے' نہیں رہنا بلکہ قطار میں سب سے 'آگے' آنا ہے اس لیے جو پیچھے ہے وہ محنت کر کے قطار میں آگے جاتا ہے تو تمام لوگ پیچھے ہو جاتے ہیں پھر اچانک ایک اور محنت کر کے سب سے آگے آجاتا ہے تو جو پہلے سب سے آگے تھا اس میں خود بخود پیچھے ہونے کی خامی پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ سب سے آگے (معیار زندگی میں) ہونا کامیابی ہے اور سب سے پیچھے نہیں صرف پیچھے (غربت میں)' ہونا ناکامی ہے یہ وہ کھیل جس کو ساری زندگی کھیلا جا سکتا ہے اس میں عمر ختم ہو سکتی ہے مگر کھیل نہیں، کیوں کہ یہ ایک لامتناہی کھیل جس میں لامحدودیت ہی حاصل وحصول ہے۔ یہ وہ بنیادی ذہنیت ہے جو لبرل سرمایہ دارانہ نظام کو مطلوب ہے یہ وہ فکر وسوچ ہے جسے سرمایہ داری کہا جاتا ہے یہ ذہنیت سرمایہ داری کے لیے لازمی ہے جس فرد میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے تو وہ سرمایہ دار بن جاتا ہے ایک دولت مند کثیر دولت کے باوجود اگر اس ذہنیت سے دور ہے اور اسے قناعت حاصل ہے تو وہ سرمایہ دار نہیں ہوتا اسی طرح اگر اس دولت مند آدمی کے ملازم، اس ذہنیت کو اختیار کر چکے ہیں تو وہ غریب ہونے کے باوجود سرمایہ دار ہونے کی قابلیت پیدا کر چکے ہیں یعنی یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے جیسے روایتی تہذیبوں و مذہب میں حرص اور حسد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو کہ سراسر نفس مطمئنہ، قناعت اور صبر جیسی ایمان افروز صفت کے متصادم ہے۔ اس رجحان کی صحیح واضح شکل پیٹرک (Patrick) کے اس ایک چھوٹے سے جملے میں مکمل طور پر سامنے آجاتی ہے کہ:

''مجھے ہر چیز دے دو جو میں چاہتا ہوں جب کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔''(۱۶)

ماضی میں مغربی مفکرین نے ان رجحانات کے لیے علمی جواز پیدا کیے ہیں اس حوالے سے ڈیور ینٹ نے بیکن کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''انسانی تمنا کے تین مدارج ہیں (ا) لوگ یہ تمنا کرتے ہیں ہمارے ملک میں ہماری قوت بڑھ جائے، یہ تمنا بیہودہ اور زوال پذیر ذہنیت کی نشانی ہے۔(ب) ہمارے وطن کا اقتدار زیادہ لوگوں پر قائم ہوجائے۔ ہماری مقبوضات بڑھ جائیں۔ یہ تمنا باوقار لیکن لبریز حرص بھی ہے (ج) انسان تسخیر فطرت کی کوشش کرے اس دائرے میں اپنا اقتدار بڑھائے۔ یہ تمنا صحت مند ہے اور جلیل قدر بھی ہے۔''(۱۷)

> جب کہ آدم اسمتھ نے تصور ضرورت کی وضاحت کی ہے کہ موجودہ وقت میں یورپ کے بڑے حصے میں مزدور کسی موقع پر بغیر لینن کی شرٹ (Linen shirt) کے عوامی مقام پر جانے پر شرم محسوس کرتے ہیں وہ تصور کرتے ہیں کہ لینن کی شرٹ کے بغیر ہونا غیر پرکشش شخصیت (Disgraceful Personality) اور غربت کی سند ہے جب کہ یہ صرف مفروضہ ہے کہ کوئی بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ لینن شرٹ زندگی کے لیے ضروری نہیں، یونانی اور رومن تہذیب میں لینن شرٹ کے بغیر بہت اچھی زندگی گزاری۔ اسمتھ مزید لکھتے ہیں کہ ''چمڑے کے جوتے انگلینڈ کی زندگی میں، زندگی گزارنے کے لیے مرد اور عورتوں کے لیے ضروری ہیں۔ اسکاوٹ لینڈ (Scotland) میں مردوں کے لیے ضروری ہے مگر عورتوں کے لیے ضروری نہیں، اسکاٹ لینڈ میں عورت بغیر چمڑے کے جوتے پہنے چل سکتی ہے اور یہ بُرا تصور نہیں کیا جائے گا۔ فرانس میں چمڑے کے جوتے نا ہی مرد کے لیے ضروری ہیں اور نا ہی عورت کے لیے۔''(۱۸)
>
> مارکس نے بھی اس حوالے سے اپنی کتاب (Wage,Labour and Capital) میں تحریر کیا ہے کہ ''ایک مالک مکان اپنے ایک چھوٹے سے گھر کو مناسب اور موزوں پاتا ہے جیسا کہ اس کے پڑوس میں موجود دیگر تمام گھر ایک ہی سائز کے ہیں لیکن پھر وہاں کوئی ایک محل تعمیر کرلیتا تو وہ گھر سکڑ کر ایک چھوٹے سے ہٹ (Hut) میں تبدیل ہوجاتا ہیں۔''(۱۹)

آزادی اظہار رائے کی بنیاد پر فروغ پزیر ذرائع ابلاغ کے باعث کرسمس ایک کنزیمر تہوار بن گیا ہے۔ جہاں افراد اپنے رشتے اشیاء اور مادیت کے ذریعے دوبارہ مضبوط کرتے ہیں۔ مغرب کے اس طرح مادی تحائف دینے کے رویہ کی وجہ سے وہاں محبت کا مفہوم تبدیل ہوگیا وہاں محبت کا اظہار مادہ پرستانہ ہوگیا ہے۔ محبت کے معنیٰ ''میں آپ کے لیے خریدلوں گا'' (I will buy for you) ہوگیا ہے۔ مغربی معاشرے میں تحفہ خریدنے کی صرف یہ وجہ ہی نہیں ہے کہ وہ مادہ پرست ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ معاشرتی ہیں۔ اس اصل اور غیر متوقع بات کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ اپنے معاشرتی تعلقات کا اظہار، ری سائیکل، ہنڈی کرافٹ اشیاء سے کرنے کے بجائے نئی صنعتی چیزوں (Newly manufactured) سے کرتے ہیں مغربی معاشرے میں اس حد تک مادہ پرستی

ہوگئی ہے کہ وہ اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے ان اشیاء کی خریداری کرنے پر مجبور ہیں یعنی مغرب میں محبت کا اظہار مادی اشیاء کی خریداری کے ذریعے ہی ممکن ہے مغرب میں موجود بچا کچا خاندانی نظام کے درمیان مادہ (Materials) پل کا کردار ادا کر رہا ہے۔ سکڈسن (Schudson,1984) اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہم اکثر اپنی فیملی کو بچانے کے لیے مادی کنزمشن کرتے ہیں۔(۲۰) ماضی کی تمام یونانی، رومن، مذہبی تہذیبیں سادہ زندگی کو پسند کرتے تھے لیکن موجودہ زمانہ میں انتہائی سنجیدہ حملہ کیا گیا ہے کہ نت نئی ضروریات اور خواہشات کو تخلیق کرایا جائے اور ان میں ترقی کی جائے۔ سکڈسن کے خیال میں اسمتھ و مارکس کے نزدیک انسانی ضروریات صرف فطری ہی نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ کلچرل ، ہمیشہ معاشرتی اور ہمیشہ معاشرے کے معیارات سے نسبتی (Relative) ہوتی ہیں۔(۲۱) ٹکر (Tucker,1978) لکھتا ہے کہ مارکس سرمایہ درانہ نظام کے تصور ضرورت پر تنقید کرتا ہے کہ مارکس کے نزدیک صرف سرمایہ درانہ نظام ہی میں انسان کو ایک خام مال سمجھا جاتا ہے یعنی سرمایہ درانہ نظام انسان کو قابل فروخت شے (Comodity) سمجھتا ہے۔(۲۲) سرمایہ دارانہ نظام انسان کو بطور مقصد حیات کے طور پر قبول نہیں کرتا بلکہ وہ انسانوں کو پروڈکشن کے ایک ذریعے کے طور پر قبول کرتا ہے اس نظام میں انسان اپنے تمام بامعنی تعلقات کو پروڈکشن کے مقاصد کے حصول کے لیے قربان کر دیتا ہے۔(۲۳) لہٰذا سرمایہ دارانہ آزادی اظہار رائے بھی انسان کو مقصد (Object) کے بجائے ایک ذریعہ (Mean) میں تبدیل کرنے کے عمل کو فروغ دیتی ہے۔

ان مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ، بقاء اور وسعت کے لئے حق آزادی اظہار رائے اور اس کے عصری آلات ذرائع ابلاغ کی نوعیت انتہائی اہم و بنیادی ہے تا کہ سرمایہ دارانہ مقاصد کے حصول کو ممکن بنایا جا سکے مگر عصر حاضر میں اس آزادی اظہار رائے کے استعمال کے نتیجے میں توہین رسالت، توہین آمیز خاکوں جیسے واقعات بھی تواتر سے وقوع پذیر ہو رہے ہیں جس کے باعث عالم اسلام میں مغرب سے متعلق نفرت میں مسلسل اضافہ بھی ہو رہا ہے ردعمل میں عالم اسلام، مغرب کو معاشی نقصان پہچانے اور مغربی مصنوعات کے بائیکاٹ جیسے رجحانات بھی سامنے آتے ہیں جس کے باعث سرمایہ کے ارتقاذ میں روکاوٹ پیدا ہوتی اور ترقی و مقاصد سرمایہ دارانہ کے حصول میں مشکلات بھی پیش آتی ہیں اور بلخصوص مغرب کے ہاتھوں سے عالم اسلام کی وسیع منڈی کے نکلنے کا امکان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ان تمام اہم نقصانات کے باوجود لبرل سرمایہ دارانہ نظام توہین رسالت جیسے اقدامات پر پابندی نہیں لگاتا جب کہ مغرب میں ہی ہولوکاسٹ کے خلاف لکھنے پر پابندی ہے نازی ازم کی حمایت اور ان کے نشانات کے استعمال تک پر سزا مقرر ہے۔

اس تناظر میں اسلام کو دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام بنیادی طور پر ایک مکمل نظام کی علامت ہے اس میں ایک مخصوص علمیت وطرز زندگی ہوتی ہے۔ معاشرے کو متفرق زمانوں میں اسلام کی علمیت و مطلوب طرز زندگی سے مطابقت و ہم آہنگ زندگی گذارنی ہوتی ہے۔ اس علمیت کے آئیڈیل کے معیار ہی حروف آخر ہوتے ہیں اور ہر معاشرے و ہر زمانے کے لوگوں کی خواہشات، ضروریات، معیارات کو ان آئیڈیل سے قریب تر کرنا ہی کامیابی و کامرانی کی علامت ہوتا ہے۔ اس مذہبی علمیت وطرز زندگی کے طے کردہ اخلاقیات، حفیظ مراتب، وجود مراتب وغیرہ تقدیس وتقدیم کے بغیر ایک مطلوبہ معاشرہ و مقاصد مذہبیانہ کا حصول مشکل ہی

نہیں ناممکن ہوتا ہے۔اس لیے دین اسلام میں حفیظ مراتب، وجود مراتب، تقدیس، تقدیم و آداب کو انتہائی اہمیت حاصل ہے جس کے بغیر مطلوبہ مقاصد کی روح کا حصول ممکن نہیں ہوتا۔ایک اسلامی ریاست و اسلامی معاشرہ ایک ایسے رجحان و طرز زندگی کا فروغ ممکن بناتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کی علمیت کے دائرے میں ایک مذہبی زندگی گذارنا آسان سے آسان تر ہو سکے تا کہ ان کی روحانی ترقی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہونے کے باعث زیادہ سے زیادہ افراد اپنے انجام آخرت کی جانب حالت ایمانی میں منتقل ہو کر کامیابی، کامرانی و حقیقی فلاح سے مستفید ہو سکیں۔جس کے لیے آداب تقدیس، تقدیم، احترام، حفیظ مراتب کا معاشرے میں راسخ العقیدگی کی حد تک نفوذ ہونا انتہائی ضروری ہے۔جب کہ اس کے برعکس سرمایہ دارانہ ریاست کی ممکنہ حد تک کوشش ہوتی ہے کہ وہ معاشرے میں ایسی علمیت و طرز زندگی کو فروغ دیں جس کے نتیجے میں تقدیس و حفیظ مراتب کا ادب و احترام ختم ہو جائے یا بے اثر ہو جائے تا کہ سرمای داری کے مقاصد کا حصول آسان ہو سکے۔توہین رسالت پر پابندی یا اس آزادی کو محدود کرنے کے نتیجے میں تقدیس و حفیظ مراتب کے ختم و بے اثر ہونے کا عمل سست روی کا شکار ہو سکتا ہے جو کہ مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کے لیے مفید نہیں ہے اس آزادی کو محدود کرنے یا نہ کرنا کا فیصلہ بنیادی طو پر Pragmatic فیصلہ ہوتا ہے۔جب کہ شتم رسول پر پابندی کے نتیجے میں سرمایہ کے ارتقاذ کو نقصان کا اندشہ تو ہوتا ہے مگر ساتھ ساتھ معاشرے میں تقدیس، احترام و حفیظ مراتب میں بھی تواتر کے ساتھ کمی ہوتی ہے۔اسلامی معاشرے میں ہی سے ایسے افراد جو سرمایہ دارانہ علمیت سے مرعوب ہو چکے ہوتے ہیں اس کے دفاع میں اسلام کی ایسی تشریحات جو سرمایہ دارانہ تشریحات سے ہم آہنگ ہوتی ہیں انھیں پیش کرنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں انبیاء و مذہبی علامتیں کی تقدیس ان ہی معاشروں میں قابل گفت و شنید (Debatable) ہو جاتی ہیں جس کے باعث معاشرے میں شتم رسول پر مزاج میں کثرتیت (Plurlasim) کا فروغ ممکن ہو جا تا ہے جو کہ آزادی اظہار رائے کے قیام و استحکام میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔

حوالہ جات/References

1- Beitz, Charles R., *Political Theory and International Relations*, (Princeton: Princeton University Press, 1999), p.60

2- Raz, Joseph, *The Morality of Freedom*, (NY: Oxford University Press, 1989), p.168,170,183

3- Sastri, Asirvatham, Eday, *Political Theory*, (Lucknow: The Upper India Publishing House Ltd., 1961), p.174

4- Ibid; p.159-161

5- Ibid; p.196

6- Ibid; p.203

7۔ Condé, H. Victor, *A Handbook of International Human Rights Terminology,* (London: University of Nebraska Press, 2nd Ed., 2004), p.92

8۔ Opp. cite, Asirvatham; p.713

8۔ Ibid; p.714

10۔ Ibid; p.717-718

11۔ Lyocard, Jnn-Fnu1rois, *The Postmodern Condition: A Report on Knowledge* , (tran.: Manchester University Press, 1984), p.xxiv

12۔ Opp. cite, Raz; p.110

13۔ Opp. cite, Asirvatham; p.772

14۔ Ibid; p.723

15۔ Vargas, Patrick T. and Sukki Yoon, *On the Psychology of Materialism: Wanting Things, Having Things, and Being Happy*, (The Advertising Educational Foundation: Advertising & Society Review, Volume 7, Issue 1, 2006), p.2

16۔ Ibid; p.2

17۔ ڈیورینٹ، وِل، داستانہ فلسفہ (مترجم: یاسر جواد) (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۵ء) ص ۱۹۵

18۔ Schudson, Michael, *An Anthropology of Goods*, (New York: Basic Books, Advertising, The Uneasy Persuasion, 1984), p.3

19۔ Ibid; p.4

20۔ Ibid; p.8

21۔ Ibid; p.11-12

22۔ Tucker, Robert ed., *The Marx-Engels Reader*, (New York: W. W. Norton, 2d ed.1978), p.94-96

23۔ Opp. cite, Schudson; p.11